حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ / مدیر

نگاہ اولیں

[ایک زمانہ وہ تھا جب کہ دنیا بھر میں بسنے والے زیادہ تر باشعور مسلمان اس احساس کے ساتھ جیتے تھے کہ مختلف ملکوں بلکہ براعظموں میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود اور مختلف قومی ملکی اور لسانی شناخت رکھنے کے باوجود ہم ایک ایسی عالمگیر ''امت'' ہیں جو اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کے لحاظ سے ''امت'' واحدہ ہے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک خطہ کے مسلمانوں پر کوئی تکلیف یا کوئی آزمائش آتی تھی تو دور دراز بسنے والے مسلمان بھی اس کی کسک محسوس کرتے تھے اور ہر ممکن مدد کے لئے دوڑ پڑتے تھے۔ ہمارے ہی ملک سے اٹھنے والی وہ تحریک خلافت جس کو ابھی سو سال بھی نہیں ہوئے اس ''امت پنے'' کی سب سے روشن مثال ہے۔

اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پچھلی صدی میں پوری دنیا بالخصوص عالم اسلام کی جو جغرافیائی اور سیاسی تشکیل نو ہوئی ہے اس کے پیچھے ایک بہت بڑا مقصد اس امت واحدہ کو مختلف قومیتوں میں تقسیم کرکے اس کے شیرازے کو منتشر کرنا، اس کی طاقت کو توڑنا اور اس میں باہمی اتحاد وتعاون اور ''امت پنے'' کے جذبات کو ختم کردینا تھا۔ اور ابھی تک کے حالات یہ بتاتے ہیں کہ اسلام اور امت مسلمہ کے دشمنوں کی یہ دجالی چال بھی بڑی حد تک کامیاب ہوئی۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اہل بصیرت علماء اور قائدین کو دشمن کی سازشوں اور امت مسلمہ کے افکار وخیالات پر ان کے مضر اثرات کا مکمل ادراک رہا اور وہ اپنے اپنے ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کو اپنے اپنے اسلوب میں اس خطرے سے

آگاہ کرنے اور ان میں عالم گیر ''امت واحدہ'' کے افراد ہونے اور اس کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل رہنے کا شعور بیدار کرنے کی امکانی کوششیں کرتے رہے۔

اس وقت جب کہ میں یہ سطریں لکھوا رہا ہوں ایک ایسی جگہ پر مقیم ہوں جہاں کتابیں اور رسائل میرے پاس نہیں ہیں ورنہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور ان کی تیار کردہ علماء کی نسل سے لے کر حضرت امام ولی اللہ الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اخلاف وتلامذہ اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد کے اکابر ومشائخ کی متعدد عبارتیں اور وصیتیں میں یہاں نقل کرتا ان شاء اللہ اپنے مستقر پر پہنچنے کے بعد اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

یہاں اس سلسلہ میں حوالہ کے طور پر صرف ایک بات کی یاد دہانی مفید ہوگی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جو تقسیم ہند کے سخت خلاف تھے جب پاکستان کے بن جانے کے بعد ان سے ان کا موقف دریافت کیا گیا تو انہوں نے کچھ اس طرح کا جواب دیا تھا کہ بھائی اگر کوئی ایسی جگہ پر مسجد بنانے لگے جہاں مسجد کا بنانا مناسب نہ ہو تو ہم اس کی مخالفت کریں گے مگر اگر مسجد بن ہی جائے تو پھر ہم بھی اس کی حفاظت کریں گے۔۔۔اور یہ تو برسبیل تذکرہ میں نے صرف مثال کے طور پر ایک واقعہ کا مختصراً تذکرہ کیا ہے۔ ورنہ جن بزرگوں کی طرف ہم اپنے کو منسوب کرتے ہیں ان کی دینی غیرت وحمیت کے شواہد پر ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ دور حاضر میں مختلف ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اجتماعی ضرورت یہ بھی ہے کہ انہیں ایسی قیادت میسر آئے جو ایک طرف تو انھیں انسانی حقوق کا احترام اور اپنے ملکی قانون کی پاسداری اور اپنے ہم وطنوں کی خیر خواہی کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے رہنے کی تلقین کرے اور دوسری طرف اپنی عالمی اسلامی برادری کے ساتھ اخوت ومحبت کا رشتہ بھی قائم رکھنے کا اور حتی الامکان اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنے اور انہیں بروئے کار لانے کا حوصلہ اور سلیقہ بھی سکھاتی رہے۔

ہمارے ملک میں گذشتہ ۳۔۴ دہائیوں کے درمیان جو عظیم علماء اور قائدین رخصت

ہوئے ان میں سے اکثر اس پہلو پر گہری نظر رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً مسلمانان ہند کی ایسی رہنمائی کرتے رہتے تھے جس سے ان کے اجتماعی رویے میں وطن دوستی کا شعور بھی پیدا ہو اور ساتھ ساتھ عالم گیر اسلامی برادری کے تعلق کا احساس بھی بیدار رہے۔ لیکن انتہائی دکھ کے ساتھ اور ضرورت کے شدید احساس کے تحت بادل نخواستہ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ موجودہ دور میں مسلمانان ہند کی قیادت کی ''وراثت'' جن لوگوں کے ہاتھ میں آئی ہے ان کی اکثریت میں یہ بلند نگاہی دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اتنی سطحی باتیں کرتے ہوئے سنائی پڑ رہے ہیں کہ اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا اور نہ ان باتوں کی توجیہ وتاویل کی کوئی کوشش کامیاب ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔

الفرقان کی ادارت کی گراں بار ذمہ داری تقریباً 37 سال سے میرے ناتواں کندھوں پر ہے، آپ اسے میری خوبی گردانئے یا کمزوری، میں نے معاصر حضرات پر تنقید واحتساب کے اسلوب سے ہمیشہ گریز کیا اور جو کچھ بھی عرض کیا اکثر اشاروں اور کنایوں میں اور ممکن حد تک مثبت انداز میں عرض کیا، مگر پچھلے ایک مہینے کے اندر بعض حضرات کا جو طرز عمل سامنے آیا ہے اس پر سکوت اختیار کرنا اور اس کے مضر اثرات سے مسلمانان ہند کو بچانے کی کوئی کوشش نہ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں معلوم ہوتا، تاہم اب بھی اپنے قلم سے کچھ لکھنے کے بجائے میں نے مناسب سمجھا کہ الفرقان کے سابق مدیر اور عظیم مفکر ومبصر مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کا وہ مضمون مستعار لوں جو الفرقان: جولائی 1966 کے ادارتی صفحات پر شائع ہوا تھا، اس مضمون کا پس منظر یہ تھا کہ 1965 کی ہند وپاک جنگ کے بعد اور اس کے دوران کچھ مسلم قائدین کے درمیان ملک سے اپنی اور مسلمانان ہند کی وفاداری اور دیش بھگتی کو ثابت کرنے کی ریس لگی ہوئی تھی۔ اور اس سلسلے میں وہ حدود سے اس قدر تجاوز کر رہے تھے کہ ان کو لقمہ دینا اور ان کے طرز عمل کی غلطی کو واضح کرنا ضروری محسوس ہوا تھا، جو مضمون ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے وہ اسی احساس کے تحت سپرد قلم کیا گیا تھا۔ آپ جب اسے پڑھیں گے تب موجودہ حالات میں اس کی افادیت کا پورا اندازہ ہوگا۔

اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس مضمون کو غور سے پڑھیں، کئی بار پڑھیں اور

موجودہ حالات پر منطبق کرتے ہوئے پڑھیں۔

راقم سطور نے اس مضمون کے چند خاص خاص جملوں کی طرف آپ کی توجہ خصوصی طور پر مبذول کرانے کی غرض سے انہیں زیادہ جلی اور نمایاں کر دیا ہے، محترم قارئین خصوصا اہل علم ونظر سے یہ بھی گزارش ہے کہ اس پر اپنے تاثرات سے بذریعہ خط ضرور آگاہ کریں، اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو، اور ہمیں سیدھی راہ دکھائے ——— مدیر]

ہندوستان و پاکستان کی جنگ کے بعد مسلمان لیڈروں کی زبان سے یہ سنتے سنتے کان پک گئے ہیں کہ ''مسلمانان ہند نے اس جنگ کے دوران وفاداری اور حب الوطنی کا وہ نمونہ پیش کیا ہے کہ اس کے بعد ان کی طرف سے تمام شکوک وشبہات دور ہو جانے چاہئیں'' ——— ہماری سمجھ میں قطعاً نہیں آتا کہ مسلمانوں کی عزت وسربلندی کی خواہش رکھنے والے کسی انسان کی زبان سے یہ الفاظ کس طرح نکلتے ہیں۔

جس جنگ کے دوران میں، آپ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اعلیٰ درجہ کی وفاداری اور حب الوطنی کا ثبوت پیش کیا، میدان جنگ میں اپنا خون بہایا اور اندرون ملک حکومت کو ہر طرح کا تعاون پیش کیا، اسی جنگ کے زمانے میں ہزاروں مسلمان جن میں سیکڑوں پرانے آزمودہ کانگریسی اور جمعیۃ علمائی بھی تھے، احتیاطی طور پر قید خانوں میں ڈالے جا رہے تھے، اور جو اس سے بچے ہوئے تھے انہیں گھروں سے نکلنا مشکل ہو رہا تھا، ہر مسلمان مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا تھا، فقرے کسے جاتے تھے، خصوصاً وہ چند دن جن میں پاکستانی چھاتہ برداروں کا ہوّا کھڑا کر کے عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ ہر مشکوک آدمی کو پولیس کے حوالے کریں، اُن دنوں میں کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی کیا گت بنی، بالخصوص مرکزی راجدھانی دہلی میں کس مصیبت کا انھیں سامنا ہوا، اور مسلمان ہونے کی کھلی ہوئی علامت، داڑھی، اگر کسی کے چہرے پر تھی تو بس اس کی تو موت تھی، اتفاق کی بات ہے کہ ملک کے مشہور انگریزی روزنامے ''ہندوستان ٹائمز'' کے ایک حالیہ اداریے میں یہ حقیقت رقم ہوگئی ہے، اپنی

۵؍جون ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں وہ ایک مثال کے طور پر لکھتا ہے کہ:

''اور یہ تو ہم نے خود ہندوستان کے اندر دیکھا ہے کہ جن دنوں پاکستان سے جنگ چھڑی ہوئی تھی، کس طرح پر ایک داڑھی والا آپ سے آپ جاسوس سمجھ لیا جاتا تھا''

تو یہ تھی ہماری وفاداری اور حب الوطنی کی حقیقت حکومت اور اکثریت کی نگاہ میں! یعنی بے اعتباری کا ذہن بالکل برہنہ ہوکر خاص انہی دنوں میں سامنے آیا جن دنوں کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ان کے بعد ہماری وفاداری اور حب الوطنی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنا چاہئے!

کیا کوئی غیرت مند قوم اور اس کے خوددار لیڈر کبھی گوارا کر سکتے ہیں کہ ان کی وطن دوستی کے جن شواہد کو اس قدر توہین آمیز طریقوں سے ان کے منھ پر مارا گیا ہو، اُن ہی شواہد کو، نہایت فخر واعتماد کے ساتھ سروں پر اٹھائے، آواز لگاتے پھریں کہ یہ ہیں ہماری وطن دوستی اور وفاداری کے جگمگاتے ہوئے ثبوت! کیا ان کے بعد بھی ہم پر اعتبار نہ کروگے، اور وہ مقام ہمیں عطا نہ کروگے جو ایسے محبان وطن کا حق ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ اس جنگ کے دوران مسلمانوں کے وفادارانہ کردار کا بے حد چرچا ہوا، اور حولدار عبدالحمید، میجر شیخ وغیرہ کی قربانیوں کا اس قدر شاندار اعتراف کیا گیا کہ گرو گولوالکر جیسے ہندو لیڈروں کو ارباب حکومت کا یہ رویہ برا معلوم ہونے لگا۔ مگر ہم سے زیادہ سادہ لوح کون ہوگا کہ ہم اس داد وتحسین پر رقص شروع کر دینے سے پہلے عمل کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں! زبان سے جس وقت یہ خوشنودی کے ڈونگرے برسائے جا رہے تھے، عین اسی وقت ڈی۔آئی۔آر کا ڈنڈا بھی عبدالحمید اور میجر شیخ کے ہم قوموں پر گھوم رہا تھا، سرزمین وطن پر راستہ چلنا انھیں دشوار ہو رہا تھا، اور کوئی شخص بھی اپنے آپ کو اس تہمت سے بالاتر سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں رہ گیا تھا کہ وہ ایک پاکستانی ایجنٹ ہے،[1]

---

[1] یہاں یہ نہ بھولیے گا کہ یہ سب کانگریس کے دور اقتدار میں ہو رہا تھا جس سے اُس دور میں وابستگی ہمارے کچھ قائدین اور کچھ جمعیتوں کے نزدیک واحد راستہ تھا۔۔۔۔۔

کیا اس سب کو نظر انداز کر کے ہمیں ناز کرنا چاہئے کہ بڑی داد ہماری حب الوطنی کی دی گئی ہے؟

ہم بڑے دھوکے میں ہیں کہ اس داد و تحسین کا سیدھا سادھا مطلب لے کر اسے اپنے اوپر اظہار اعتماد سمجھنے لگ گئے ہیں، اور بڑے فخر سے حوالہ دیتے ہیں کہ صدر جمہوریہ نے ہمارے حق میں یہ ارشاد فرمایا اور وزیر اعظم نے وہ فرمایا، حالانکہ ان کا **مقصد تو تحسین و آفرین کے اس شور سے صرف باہر کی دنیا کو یہ دکھانا تھا کہ کشمیر کے معاملے میں ہندوستان کے مسلمان بھی پاکستان کے خلاف سربکف ہیں، نیز یہ کہ ہندوستان کا سیکولرازم اس قدر سچا ہے اور یہاں کی مذہبی اقلیتیں اس قدر شکر گذاری کے جذبات سے معمور ہیں کہ مسلمانوں نے پاکستان کے مسلمان ہونے کی بھی پرواہ نہیں کی، اس لئے کشمیر کے معاملے میں بھی پاکستان کا پروپیگنڈا بالکل جھوٹ ہے!** [۲]۔۔۔ہم سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے جوانوں کے خون سے ہم کو سند کو دی جارہی تھی کہ حکومت کی نظر میں پوری طرح قابل اعتماد اور وطن کے جاں نثار رہیں، حالانکہ اس خون سے بھی سند بڑی خوبصورتی کے ساتھ خود ہی لی جارہی تھی کہ یہ حکومت ہند اور اس کے سیکولرزم پر مکمل اعتماد کا ثبوت ہے، ورنہ آپ خود سوچ لیجئے کہ اگر مقصد ہم پر اظہار اعتماد ہوتا تو عمل میں بے اعتمادی کا وہ بھرپور مظاہرہ کیوں ہو رہا تھا جسے کسی شرح و بیان کی حاجت نہیں اور جس کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ تاشقند میں صلح کی دستاویز نہیں مرتب ہوگئی۔

مسلمانوں کو حالات سے شکایت ہے، حق تلفیوں کے شکوے ہیں اور مستقبل میں بدترین احوال کے اندیشے ذہن پر سوار ہیں، **مگر حالات کی سختی سے ہرگز نہیں لازم آتا کہ مستقبل تاریک ہی ہو، ہاں ایک چیز یقیناً ایسی ہے جس کے بعد مستقبل میں کسی روشنی کی امید نہیں رکھنی چاہئے اور وہ**

---

[۲] آج بھی جو ''ملاقاتیں'' ہو رہی ہیں اور جو قراردادیں اور بیانات صادر ہو رہے ہیں یا کروائے جارہے ہیں ان کا مقصد بھی عالمی برادری میں بُری طرح بگڑتی ہوئی شبیہ کو درست کرنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں، اور افسوس ہے کہ ہمارے لوگ استعمال ہو رہے ہیں ——— مدیر

ہے خود داری سے محرومی اور خود اعتمادی و خدا اعتمادی کے ساتھ حالات کو بدلنے کی خوددارانہ کوششوں کے بجائے غلامانہ گراوٹ اور خوشامد میں مشکلات کا حل ڈھونڈنا! یہ وہ مقام ہے جہاں قوموں کی تقدیر پر مہر لگ جاتی ہے اور بجز ذلت و بیچارگی کچھ اور ان کا مستقبل نہیں ہوسکتا۔

ہم نے جس بات پر گفتگو چھیڑی ہے وہ اس وقت کا ایک عام ابتلاء ہے، ایسے ایسے حضرات اس میں مبتلا نظر آرہے ہیں جن کے متعلق ہم ہرگز نہیں سوچ سکتے کہ ان میں ملّی غیرت و خودداری کے احساسات نہیں ہیں اور اس لئے قلم کو کچھ لکھتے ہوئے بڑی جھجھک ہے مگر ہمارا مقصد ملامت یا مذمت نہیں ہے، ہم ملت کے تمام مخلص لیڈروں کو صرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ وہ خدا کے لئے اس معاملے میں ذرا سا ٹھہر کر ایک بار غور کریں کہ آخر انھیں ان لوگوں کے سامنے اپنی حب الوطنی کے ذکر سے عار کیوں نہیں آتی جو عمل کی زبان سے اعلان کر چکے ہیں کہ چاہے مسلمان پاکستان کے مقابلے میں بھی ہندوستان پر جان چھڑک کے دکھادیں اور جبکہ متعدد ہندو عام حالات تک میں پاکستان کے لئے جاسوسی اور راز فروشی کے جرم میں رنگے ہاتھوں پکڑے جاچکے ہوں، ان کا کوئی فرد اس بحرانی دور میں بھی ایسی لغزش کا گنہگار نہ ہوا ہو، مگر ان کی وطن دوستی پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا، اور خاص طور پر پاکستان سے کشمکش میں تو وہ پاکستانی ہی سمجھے جائیں گے! —— اور پھر آخر یہ پریشانی ہے کیوں کہ مسلمانوں کو اکثریت کی بارگاہ سے حب الوطنی کی سند مل جائے؟ کیا اکثریت کو ہم نے حاکم اور خود کو محکوم مانا ہے، آقا اور غلام کا رشتہ ہم یہاں تسلیم کررہے ہیں کہ خوشنودی نہ ملی تو زندگی بے مزہ ہے! اگر رشتہ یہی ہے تو ہمیں ''حب وطن'' کا شریف لفظ زبان پر نہ لانا چاہئے، بلکہ ''آقاؤں سے وفاداری'' کی بات کرنا چاہئے، اور اس میں بے شک ہم محتاج ہیں کہ وہ بھی ہمیں وفادار مان لیں۔ لیکن اگر رشتہ برابری کا ہے اور وطن کی برائی بھلائی سوچنے کا ہمیں بھی وہی حق ہے جو اکثریت کو ہے تو اکثریت کو ہم کیوں یہ حق دیں کہ وہ ہماری حب الوطنی کا فیصلہ کرے؟ اور کیوں پریشان ہوں کہ وہ ہمارے بارے

میں کیا رائے رکھتی ہے؟

بے شک جمہوریت دستوری مساوات کے باوجود عملاً اقتدار اکثریت ہی کے ہاتھ میں دیتی ہے، اور اقتدار کی عام فطرت کے مطابق وہ ملک کے تمام معاملات کا اجارہ دار بھی اپنے آپ ہی کو سمجھنے لگتی ہے، اس لئے اس کے ذہن کی موافقت اور مخالفت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مگر یہ موافقت تلاشی ایک حد تک ہی ٹھیک ہوسکتی ہے، کھلی ہوئی کمتری اور غلامی کی پوزیشن اس کے لئے نہیں اختیار کی جاسکتی۔ مسلمانوں کو اکثریت سے سخت شکایتیں ہیں کہ وہ حکومتی اختیارات کے بل پر ان کے حقوق مسلسل پامال کر رہی ہے، ان کی سیکڑوں عبادت گاہیں آج تک بے حرمتی کا شکار ہیں، ان کے ایک فرد کی غلطی کی سزا پورے علاقے کے مسلمانوں کو اس طرح دی جاتی ہے جیسے وہ شودر اور غلام ہوں، غلطی کی بھی ضرورت نہیں صرف جھوٹی افواہیں اس بات کے لئے کافی ہوتی ہیں کہ پورے علاقے کے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا جائے، لاکھوں کروروں کی املاک جلا کر خاک کردی جائیں، اور بوڑھوں، بچوں، عورتوں تک کی کسی تفریق کے بغیر سیکڑوں ہزاروں جانوں کو خاک اور خون میں تڑپا دیا جائے۔ ملک کی کتنی ہی ریاستوں میں اردو ان کی مادری زبان ہے اور ملک کی تسلیم شدہ ۱۴ قومی زبانوں میں بھی وہ شامل ہے، مگر اس کو کہیں بھی سرکاری درجہ دینا تو درکنار اسکولوں میں اس زبان کی تعلیم تک کی سہولت نہیں دی جاتی، اور بالکل واضح طور پر اسے ایک حرف غلط کی طرح مٹا ڈالنے کی پالیسی چل رہی ہے۔ اردو جن ریاستوں کے مسلمانوں کی مادری زبان نہیں ہے ان کے لیے بھی اپنے مذہب (اسلام) سے واقفیت کا سب سے بڑا ذریعہ وہی ہے، مگر ایک طرف اردو کو مٹا کر وہ دروازہ بند کیا جارہا ہے جس سے مسلمانوں کی نئی نسلیں اپنے مذہبی اور تہذیبی ورثے سے رابطہ رکھ سکیں تو دوسری طرف سرکاری نصاب تعلیم میں اس بات کا بھرپور انتظام کیا گیا ہے کہ مسلمان بچے اکثریت کے مذہبی اور تہذیبی رنگ میں رنگ جائیں۔ یہ ساری شکایتیں ایسی ہیں کہ مسلمانوں نے کبھی ایک دن کے لئے بھی انھیں نہیں چھپایا، اپنی سخت تشویش اور غم وغصہ کا اظہار وہ تمام ممکن ذرائع سے ان معاملات میں

کرتے رہے ہیں، کم سے کم اکثریت کے حکمراں افراد اچھی طرح جانتے ہیں کہ شکایات کے ان پھوڑوں سے مسلمانوں کے دل و دماغ پر کیا بیت رہی ہے، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ پاکستان ان معاملات میں کس کس طرح مسلمانوں کی ہمدردی کا اظہار کرتا رہتا ہے، مگر اس سب کے باوجود کوئی ایک مثال نہیں کہ مسلمانوں نے پاکستان یا کسی دوسرے ملک سے ریشہ دوانیوں کا ارتکاب کیا ہو، اور حد یہ ہے کہ جنگ کا بھی ایک دن ہندوستان و پاکستان کے درمیان آ گیا مگر اس میں مسلمان کوئی ایسا کام تو کیا کرتے جس سے پاکستان کو فائدہ اور ہندوستان کو نقصان پہونچے، الٹے وہ عبدالحمید اور میجر شیخ کا کردار بن کر رونما ہوئے اور جو دفاعی خدمت بھی انھیں سونپی گئی اُس میں انھوں نے کہیں سے اپنے اعتبار پر حرف نہیں آنے دیا—— یہ ہے ہندوستانی مسلمانوں کا کردار! اس پر بھی جب اُن سے علانیہ شورش یا خفیہ تخریب کاری کا اندیشہ کیا گیا اور ایک ریاست میں ہزاروں بااثر لوگوں کو راتوں رات پکڑ کر جیل خانوں میں بند کر دیا گیا اور معاہدۂ تاشقند تک بند ہی رکھا گیا، تو ان لوگوں کے سامنے اپنے حب وطن کی بات غلامانہ گراوٹ کے سوا کچھ اور نہیں، اور اس سے اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا کچھ بھلا ہوگا تو خودداری کو اقتدار کے حضور پامال کر کے آج تک کسی قوم نے ذلت کے سوا کچھ نہیں پایا۔

کیسا المیہ اور کیسا سانحہ ہے کہ حکومت نے جنگ کے دوران میں احتیاط کے نام پر کیے گئے اقدامات سے مسلمانوں کی پوزیشن کو کس بُری طرح خراب کیا ہے، مگر ہم اس پر اپنے احساسات کو سامنے نہیں لاتے بلکہ الٹے سجدے بجالا رہے ہیں کہ بڑا اعتراف ہماری وفاشعاری کا کیا گیا ہے، یعنی کوئی حرج نہیں کہ آپ ہماری آبرو کو مٹی میں ملا دیں، مگر بس دو دلفریب بول بھی اپنی زبان مبارک سے سنا دیں!—— کیا حال ہوگا اُس حکومت کی غلط روی کا جو پانچ (آج کے تناظر میں بیس) کرور انسانوں میں اس قدر مسکینی پاوے؟ اور کیا حال ہوگا ان مسکینوں کا؟

اَللّٰھُمَّ اِلَیکَ الْمُشْتَکٰی وَ اَنْتَ الْمُسْتَعَان!

❁❁❁

ہمارے ملک کی تبدیلیاں کچھ اور کہتی ہیں

منافق موسموں کی شوخیاں کچھ اور کہتی ہیں
چمکتی آسماں پر بجلیاں کچھ اور کہتی ہیں

بہت خوش حال ہیں اہل وطن اخبار کہتے ہیں
مگر یہ اجڑی اجڑی بستیاں کچھ اور کہتی ہیں

یہ دعویٰ باغباں کا ہے کہ گلشن سبز ہے لیکن
ہمیں تو سوکھی سوکھی پتیاں کچھ اور کہتی ہیں

یہاں ہر ایک کو یکساں دیا کرتے ہیں حق لیکن
ہماری قوم کی محرومیاں کچھ اور کہتی ہیں

یہ نعرہ کتنا پیارا ہے کہ یہ آزاد بھارت ہے
مگر حق گوئی پر پابندیاں کچھ اور کہتی ہیں

زمانے کے تئیں بدلاؤ، خوش کن امر ہے لیکن
ہمارے ملک کی تبدیلیاں کچھ اور کہتی ہیں

تحفظ عورتوں کو مل گیا ہے مانتا ہوں میں
مگر ان بچیوں کی سسکیاں کچھ اور کہتی ہیں

☆.....☆.....☆